

فلسفہ اخلاق کا ارتقائی جائزہ، اخلاقیات کی الہامی بنیادوں کے تناظر میں

A Critical Review of Ethical philosophy, in the Context of Inspirational Foundation of Ethics

Gulam Mustafa

Lecturer Institute of Islamic Studies

Mirpur University of Science and Technology MUST AJ&K

Dr. Saeed Ur Rahman

Visiting Faculty IBMS University of Agriculture Peshawar

Email: msaeedkhalil@gmail.com

Hamid Rabbani

MPhil Scholar Institute of Islamic Studies

Mirpur University of Science and Technology MUST AJ&K

ABSTRACT

The concept of ethics has been lying in human consciousness since the very beginning. The story of Adam and Eve, the tale of the murder of Cain and Abel, is echoed in various religions under different names. This demonstrates that the concept of good and evil has been present since the dawn of humanity. The evidence of ethical teachings is found primarily in the literature of various religions of the Greeks. The Greeks had wise sayings and aphorisms dating back to pre-Christian times, which discussed human character and ethics.

While every religion has articulated a few ethical principles, Islam is the only religion which has presented a complete code of ethics. It has provided aiding principles for the refinement of human life in every aspect, including marriage, livelihood, cleanliness, manners, and other human activities. Adhering to these teachings enhances an individual's personal, political, and societal and family life. Within humans lies the desire of the self, and it is essential for humans to possess a motive that enables them to decide, in its light, that by suppressing their desires, they can become productive members of society and live in harmony with others.

If the concept of ethics were to disappear from any society, it would fall prey to chaos and destruction, whereas societies that uphold ethical values are the guarantors of success not only in this world but also the hereafter.

Keywords: Ethics, divine inspiration, moral philosophy, religion, evolution

اخلاقیات کا تصور انسانی شعور میں روز اول سے موجود ہے۔ یہ تصور انسانی زندگی کے آغاز سے ہی موجود

ہے۔ آدم اور حوا کی کہانی، ہابیل اور قابیل کے قتل کی کہانی، مختلف مذاہب میں مختلف ناموں سے ملتی جلتی ہے۔ یہ اس بات

کا ثبوت ہے کہ نیکی اور بدی کا تصور ابتدائے انسانی سے موجود ہے۔ ہمیں اخلاقی تعلیمات کا ثبوت صرف یونانیوں کے

مختلف مذاہب کی کتابوں میں ملتا ہے۔ یونانیوں کے پاس ساتویں سے چھٹے قبل مسیح تک کے حکیمانہ اقوال اور اشعار ملتے ہیں جو انسانی شخصیت اور اخلاق پر بحث کرتے ہیں۔

ہر مذہب نے صرف چند اخلاقی باتیں بیان کی ہیں جب کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے اخلاقیات کا مکمل تصور پیش کیا ہے۔ شادی بیاہ، کھانے پینے، طہارت، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور دیگر انسانی زندگی کے مشاغل کی بجا آوری کے لئے تعلیمات دی ہیں۔ ان تعلیمات کی پابندی انسان کو انفرادی، خاندانی، سیاسی معاشرتی زندگی کو پر لطف بناتی ہے۔ انسان کے اندر خواہشات نفس کا ایک داعیہ موجود ہے۔ ایسے میں انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک ایسی علامت کا حامل ہو جس کی روشنی میں وہ یہ فیصلہ کر سکے کہ اپنی خواہشات کو دبا کر وہ معاشرے کا کارآمد فرد بن سکتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہم آہنگ زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں اخلاقیات کا تصور ختم ہو جائے تو وہ معاشرہ انتشار اور تباہی کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اخلاقی طور پر بلند معاشرے ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کے ضامن ہوتے ہیں۔

یونانی فلاسفہ نے جن سوالات کو اپنا موضوع بحث بنایا وہ یہ ہیں۔ (1) انسانی اعمال کی حقیقت کیا ہے؟ (2) ان کے اصول و قوانین کیا ہیں؟ (3) ان کے اسباب و علل کیا ہیں؟ (4) ان کی غرض و غایت کیا ہے؟ یہ سوالات صرف فلاسفہ یونان کے لئے ہیں نہیں بلکہ ان تمام فلسفیوں کے لئے موضوع تحقیق رہے جو فلسفہ اخلاق کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

تصور اخلاق کا آغاز و ارتقاء

تصور اخلاق کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں سید عروج احمد اپنی شہرہ آفاق کتاب قرآن کا فلسفہ اخلاق میں رقمطراز ہیں:

"اخلاقیات کے حوالے سے باقاعدہ کام تو سب سے پہلے سقراط کے ہاں ہی ملتا ہے، مگر سقراط سے پہلے بھی چند فلاسفرز کے ہاں اخلاق اور انسانی اقدار کے حوالے سے غیر مربوط اور حکیمانہ اقوال ملتے ہیں۔ سقراط سے پہلے تین فلسفی ایسے ہیں جن کی اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہ یہ ہیں: فیثاغورث، ہرقلیطوس، اور دیماقریطوس۔

(1) فیثاغورث (Pythagoras) کا تصور اخلاق:

اس کا دور 580 قبل مسیح سے 500 قبل مسیح تک ہے۔ اس فلسفی کے بارے میں تفصیل سے کوئی بات معلوم نہیں کیونکہ اس کی تاریخ پہ افسانے کا اثر پڑا ہوا ہے، لیکن وثوق سے اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک ایسی تنظیم بنائی تھی، جس کے اصول و قوانین میں اخلاق کو بھی خاص اہمیت حاصل تھی۔ شجاعت، دستوں کے ساتھ خلوص، اعتدال، قانون اور حکومت کی فرماں برداری، روزانہ احتساب کی تاکید اور اس طرح کی دوسری اخلاقیات

اس کی تعلیم کا اہم عنصر ہیں۔¹ مولانا امین احسن اصلاحی ان کے تصور خیر و شر کے بارے میں اپنی کتاب "فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں لکھتے ہیں: "فیثاغورث کا کہنا ہے کہ چونکہ انسان ہی تمام چیزوں کا معیار ہے، اس لئے اچھائی اور برائی کا پیمانہ بھی وہ خود ہی ہیں، چونکہ انسان الگ الگ خیر و شر کا اپنا معیار رکھتا ہے اس لئے بحیثیت مجموعی نہیں، بلکہ خود فیصلہ کرنے کا مجاز ہے کہ اس کے لئے خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔"²

اس نقطہ نظر کا نتیجہ اخلاقی انتشار، انفرادیت پسندی اور خود غرضی کے سوا کیا نکل سکتا ہے۔ اور ایک اور بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ فیثاغورث ہی وہ شخص تھا جس نے انسانی اقدار کے حوالے سے تحقیق کی اور سوچنا شروع کیا مگر اس حوالے سے باقاعدہ کوئی تصنیف ان کے ہاں نہیں ملتی۔

ہرقلیطوس (Heraclitus) کی اخلاقی تعلیمات:

مولانا عروج احمد لکھتے ہیں:

"اس کے ہاں اخلاق کے حوالے سے وہ باتیں ملتی ہیں جن سے بعد کے فلسفیوں نے فائدہ اٹھایا۔ مثلاً وہ لوگوں کو عقل کی راہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتا ہے جو سب انسانوں کے اندر مشترک ہے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ "حکمت اس میں ہے کہ انسان فہم و فطرت کے مطابق عمل کرے۔"³

مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں:

"اسی طرح ہرقلیطوس کے نزدیک اچھائی اور برائی دونوں اپنی جگہ اہم ہیں۔ یہ دونوں مل کر دنیا میں حسن پیدا کرتے ہیں۔ برف ٹھوس ہے لیکن وہ پگھل کر پانی بن جاتی ہے جو نرم ہے۔ اس حقیقت سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دنیا میں تضادات کا وجود محض ظاہری ہے، کائنات میں توافق اور سازگاری خیر و شر سے مل کر پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یونان کے قدیم فلسفیوں کی طرح ہیراقلیطوس بھی برائی کو برائی نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو ایک اور قسم کی اچھائی سمجھتا ہے، جو اگر نہ ہو تو اس کائنات کا حسن اور اس کی رنگینی غارت ہو جائے۔"⁴

ہنری سجوک ان کے تصور اخلاق کے بارے میں اپنی کتاب تاریخ اخلاقیات میں لکھتے ہیں کہ:

"اس کے متعلق جو سب سے زیادہ باوثوق شہادت جو ملی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی اخلاقی فلسفی نہ تھے بلکہ ایک مذہبی برادری کا بانی تھا، جس کے اخلاقی اور مذہبی دونوں مقاصد تھے، اور اس کی بنیاد تنازع ارواح۔۔۔ اس کے اعتدال، شجاعت، دوستوں کے ساتھ خلوص، قانون اور حکومت کی فرمان برداری کے نصائح اور روزانہ احتساب نفس کی تاکید میں "انسانوں کی زندگی خدا کے مشابہ بنانے" کی ایسی کوشش نظر آتی ہے کہ جو اپنے خلوص اور جدت کے اعتبار سے نہایت ہی ممتاز ہے۔"⁵

دیموقریٹوس (Democritus):

مولوی احسان احمد رقمطراز ہیں کہ:

"اس کا دور 460 سے 370 قبل مسیح ہے۔ اس کے مطابق اخلاقیات کی بنیاد صرف لذت اور خوشی کا حصول ہے۔ اگر کسی چیز کو خیر کہا جائے تو وہ لذت یا خوشی ہوگی۔ جیسا کہ مصنف تاریخ اخلاقیات لکھتے ہیں کہ "وہ پہلا فلسفہ ہے جس نے کھلے الفاظ میں یہ دعویٰ کیا کہ لذت یا خوشی سب سے اصلی اور برترین خیر ہے اور اس کا اس کو ذہن کی ایک غیر منتشر و پریشان حالت کے مطابق کہنا اور اس امر پر زور دینا کہ خواہشوں کو قابو میں رکھنا اور ان کو اعتدال کے ساتھ پورا کرنا، سب سے بڑی لذت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے"۔⁶

مولانا امین احسن اصلاحی بھی اس سے ملتی جلتی بات لکھتے ہیں کہ:

"اس کے نزدیک زندگی کا مقصد مسرت کا حصول ہے، اس لئے جس چیز سے انسان کو خوشی حاصل وہ اچھی ہے اور جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو وہ بری ہے۔ البتہ وہ ظاہری مسرت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ اندرونی کیفیت اور داخلی سکون اور طمانیت کو حقیقی مسرت کا نام دیتا ہے۔ مزید برآں دیموقریٹوس کے نزدیک نیکی عمل کا نام نہیں ہے بلکہ نیک کام کرنے کی خواہش کا نام ہے۔ اس لئے نیک کام کرنے والا نیک نہیں ہو سکتا بلکہ نیک وہی ہے جو ہر وقت نیک کام کرنی کی خواہش رکھتا ہو"۔⁷

ان تین فلاسفرز کے بعد جنہوں نے اخلاقیات کو باقاعدہ اپنا موضوع بنایا ہے وہ بھی تین فلسفی ہیں (1) سقراط (2) افلاطون اور (3) ارسطو۔ موجودہ جدید تصورات علم اخلاق پر بھی ان کا اثر غالب نظر آتا ہے کیونکہ جدید فلاسفرز نے کوئی نیا تصور یا نظریہ پیش نہیں کیا، بلکہ ان ہی نظریات میں کچھ اضافے کیے ہیں۔ اب ان تین فلسفیوں کے نظریہ اخلاق کو اجمالاً ذکر کیا جائے گا، اور یہاں ہمارا مقصد نظریہ اخلاق کی تاریخ اور اس کا ارتقائی سفر بیان کرنا ہے۔

سقراط کا فلسفہ اخلاق

سقراط جس کا زمانہ ۴۶۹ ق م سے ۳۹۹ ق م تک ہے، اپنے عہد کا بڑا معلم اخلاق تھا۔ اس نے علم کو خیر قرار دیا اور اس کے افکار میں اخلاق نے علم کے نتیجے کا مقام حاصل کیا، سقراط نے علم و اخلاقیات کی دنیا میں ایک مستقل دبستان کا مقام پایا اور اس سے متاثر ہونے والوں کے کئی مکاتب فکر پیدا ہوئے جن میں اگر ایک جانب لذت و خوشی کو زندگی کے مسائل کا حل قرار دینے والے قورنیائی بھی تھے تو دوسری طرف لذت سے کامل اجتناب اور اذیت کو پسند کرنے والے کلیبی بھی۔ اگر ہم سقراط کے نظریہ علم کو پیش نظر رکھیں تو پھر جہالت اور بے علمی سو خُلق کا سب سے بڑا باعث ہے۔ سقراط نے علم کی قدرت اور انسانی کردار پر اثر اندازی کے بارے میں کہا ہے کہ:

*Knowledge is also something noble and capable of governing man, and whoever learns what is good and what is harmful will never be misled by anything to act otherwise than as knowledge bids, and..... intellect is a sufficient succor of men.*⁸

سقراط کے نزدیک کوئی شخص گناہ (یا یہاں بد اخلاقی کہہ دیجیے) کا ارتکاب اس لیے نہیں کرتا کہ اُسے گناہ سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ اپنی جہالت کے باعث مبتلائے گناہ ہو جاتا ہے۔ سقراط کے نزدیک علم فطرتِ انسانی میں ودیعت کیا ہوا جو ہر ہے جو بعد کی سرگرمیوں کے باعث جس کا نقش دھندلا جاتا ہے اور ہماری حصولِ علم و کردار کی مساعی دراصل اسی گم شدہ جوہر کی بازیافت کی شکلیں ہیں۔ اس نے فیڈو میں سیمپلسن کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"جو علم ہمیں پیدائش سے پہلے حاصل تھا اگر وہ ہماری پیدائش کے وقت ہمارے ذہن سے محو ہو گیا اور بعد میں حواس کے استعمال سے ہم نے اس کی بازیافت کر لی تو کیا یہ عمل جسے ہم سیکھنا کہتے ہیں محض ہمارے فطری اور پیدائشی علم کی بحالی نہ ہو گا اور کیا اسے بجا طور پر بازیافت نہیں کہا جاسکے گا؟"⁹

سقراط کا نظریہ یہ تھا کہ "بنیادی طور پر نیکی ایک علم ہے اور ایک ایسا عالم یادانا جو نیکی کا فہم و شعور رکھنے کے باوجود نیک یا درست عمل کرنے سے گریزاں ہے وہ اس بے علم یا نادان سے پھر بھی بہتر ہے جسے نیکی کا فہم و شعور تک نہیں۔

امین حسن اصلاحی ان کے نظریہ اخلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یونانیوں کے عظیم فلسفی سقراط (Socrates) کے نزدیک انسان کے لیے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے اور اس کی کسوٹی اور معیار کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اس نے خود یہ دیا ہے کہ خیر و شر کا تصور اور اس کا معیار انسان کے اندر ہی موجود ہے۔ اگر وہ غور و فکر کی عادت ڈال لے تو اپنی فطرت کی رہنمائی سے خیر و شر کا تعین کر سکتا ہے۔ اس کا مشہور و معلوم مقولہ "اے انسان اپنے کو پہچان" بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خیر و شر کے بنیادی اصول انسان کے اندر موجود ہیں جو غور و فکر کے بعد معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ سقراط بار بار یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اچھائی اور برائی صحیح اور غلط کو ناپنے کا کوئی پیمانہ اور اس کے بنیادی اصول ہونے چاہئیں اور وہ انسان کی ذاتی خواہشات اور اعتقادات سے بلند ہونے چاہئیں۔ اس کے نزدیک سب سے بڑا خیر (The Greatest Good) علم ہے اور علم کا خزانہ انسان کے اندر مدفون ہے جس کو غور و فکر کے بعد دریافت کیا جاسکتا ہے۔ سقراط خود شناسی کو جو اہمیت دیتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے نزدیک یہی حقیقی علم ہے جس کی انسان خلاف

ورزی نہیں کر سکتا۔ دوسرا تمام علم مستعار ہوتا ہے جس کا انسان پر گہرا نقش نہیں ہوتا۔ خود شناسی سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ حقیقی مسرت کا باعث بنتا ہے۔ مسرت کے دوسرے معیار اصلی اور حقیقی نہیں۔ سقراط کے نزدیک خود شناسی کے بعد اگر کوئی شخص علم حقیقی کی مخالفت کرتا ہے تو یہ وقتی بات ہوتی ہے جس طرح ایک خوش ذوق آدمی کا پاؤں کبھی گندگی میں پڑ جاتا ہے تو وہ وہاں ڈیرہ نہیں ڈال دیتا بلکہ اس مصیبت سے فوراً جان چھڑا لیتا ہے۔ سقراط کا خیال ہے کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے برا نہیں بنتا، وہ برا اس لئے بن جاتا ہے کہ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا ہے۔ اس لیے اگر اس پر واضح ہو جائے کہ نیکی کیا ہے تو بھلائی کا راستہ اختیار کرے گا۔¹⁰

علم الاخلاق کا بانی:

مولانا حفظ الرحمن رقمطراز ہیں:

"سقراط کو علم الاخلاق کا بانی اور مؤسس سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ سب سے پہلا شخص وہی ہے جس نے پوری توجہ کے ساتھ اس پر زور دیا کہ معاملات انسانی کو "اساس علمی" کے قالب میں ڈھالا جائے اس کا یہ مقولہ تھا کہ اخلاق اور معاملات جب تک علمی اساس پر نہ ڈھالے جائیں گے کبھی درست نہیں ہو سکتے، حتیٰ کہ وہ اس کا قائل ہو گیا تھا کہ فضیلت صرف "علم" کا نام ہے۔"¹¹

نعیم احمد لکھتے ہیں:

"وہ انسان اور انسانی اعمال کی نوعیت پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ نیکی کیا ہے؟ انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ کن اعمال سے انسان کو گریز کرنا چاہیے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو سقراط کے فلسفہ اخلاق کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ سوالات بنیادی طور پر اخلاقی سوال ہیں۔ اس لئے اسے سطور بجا طور پر سقراط کو اخلاقیات کا بانی قرار دیتا ہے۔"¹²

اخلاق اور نظریہ روح:

ڈاکٹر نعیم احمد رقمطراز ہیں:

"سقراط کے نظریہ روح کو ذہن میں رکھے بغیر اس کی اخلاقیات کی گہرائیوں کا علم نہیں ہو سکتا۔ سقراط کے خیال میں روح انسانی شخصیت کا جوہر ہے اور اس کی نوعیت میں راستی اور نیکی پائی جاتی ہے۔ لہذا روح کی تربیت اور نگہداشت سے بھی انسانی اخلاقی زندگی میں نکھار آتا ہے۔"¹³

قمر نقوی لکھتے ہیں:

"سقراط کے فلسفہ کا ہدف روح کی تربیت تھا۔ اس کی ساری سعی کالب لباب یہی تھا کہ افراد کو ان کے باطن کی طرف سے بیدار و خبردار کر دے تاکہ ان میں صفاتی کردار عمل کی خصوصیات جلوہ گر ہو جائیں۔۔۔ اس

انتہائی صفائی اور پاکیزگی تک پہنچنے کے لئے سقراط نے جو وسائل تجویز کئے ان کو خواہشات ذات بلکہ معرفت ذات کہا جاسکتا ہے۔¹⁴

سقراط نے خود دعویٰ کیا کہ

"تم لوگ اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو مجھے اللہ حکم دیتا ہے کہ میں ایک کام انجام دوں اور اس حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ میں جدھر جاتا ہوں ادھر یہی پیغام پہنچا رہا ہوں کہ انسانوں کو اپنے جسموں کی صفائی کی فکر سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنی روحوں کی تطہیر، تزکیہ نفس اور پاکیزگی باطن کی طرف توجہ دو۔"¹⁵

سقراط کے نظریہ اخلاق کی تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سقراط یونان کی وہ عظیم شخصیت تھی جس کا فضل و کمال نہ صرف اس اُس دور میں ہی مابین درخشاں کی طرح علم و دانش کی انجمنوں کو روشن کئے رکھتا تھا بلکہ اب تک علماء اور فضلاء اس کی تحقیق اور علم و فضل کے خوشہ چین ہیں۔

افلاطون کا اخلاقی نظریہ

انسانی شخصیت کی نشوونما کس نہج پر ہونی چاہئے؟ وہ کون سا مقصد ہے جسے تمام افعال کا مرکز اور محرک ہونا چاہئے؟ فضیلت کیا ہے؟ افلاطون نے ان تمام اخلاقی مسائل کا حل اپنی مابعد الطبیعیات کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ افلاطون عالم مثل (ideas) کے قائل تھے۔ جس کے مطابق اس کائنات میں جو کچھ بھی موجود ہے، وہ درحقیقت اصل وجود نہیں ہے، جب کہ اس دنیا میں جو کچھ موجود ہے وہ فقط سایہ ہے۔ مثلاً اس دنیا میں جتنے انسان بستے ہیں ان سب کی ایک حقیقت اور ہے۔ اصل ہے جو عالم مثل میں ہے۔ اور یہاں جتنے بھی افراد نظر آتے ہیں وہ فقط اصلی وجود کے سائے کی مانند ہے۔

ان کا نظریہ اخلاق بھی نظریہ امثال پر قائم ہے۔ جیسا کہ جان ایس میکنز لکھتے ہیں کہ:

"اور اخلاق کے بارے میں اس کا مسلک "نظریہ امثال" یہ قائم ہے۔ اس نظریے کی تشریح یہ ہے کہ وہ اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اس "عالم مادی" کے پرے ایک اور عالم ہے "عالم روحانی" اور عالم مادی کے ہر موجودہ شخص کی "مثال" اس عالم عقل و روحانی موجود ہے اس لئے اس نے اس نظریہ کو علم الاخلاق پر اس طرح مطابق کیا کہ اس عالم مثال میں "خیر" کی مثال بھی موجود ہے وروہ معنی مطلق ہے ازلی ابدی، کمال تک رسا، اور جب اسی معنی مطلق سے کوئی امر قریب ہو گا اور اس پر اس کا عکس پڑے گا وہ کمال کے قریب تر پہنچ جائے گا۔ مگر اس "مثال" کو سمجھنا ریاضت نفس اور تہذیب عقل کے بغیر ناممکن ہے، اس لئے فضیلت کو اپنی بہتر شکلوں میں "فلسفی" کے سوا کوئی نہیں پاسکتا۔"¹⁶

مولانا حفظ الرحمن اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ:

"اس کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ "نفس" میں مختلف قوتیں ہیں، اور "فضیلت" ان قوتوں میں باہم تناسب پیدا ہونے، اور ان کے "احکام عقل" سے "متاثر ہونے" سے، عالم وجود میں آتی ہے۔ نیز اس کا مذہب یہ ہے کہ فضائل کے اصول چار ہیں حکمت، شجاعت، عفت اور عدل۔ اور یہی چار اصول جس طرح افراد کی اخلاقی زندگی کا قوام بناتے ہیں، اسی طرح قوموں کے قوام بھی تیار کرتے ہیں۔"¹⁷

مولانا امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں:

"افلاطون کا کہنا ہے کہ عالم محسوسات، یعنی دنیا میں آنے سے پہلے انسان کو تمام خیر و شر سے آگاہ کر دیا گیا ہے، یہ سب اس کے اندر مرقوم ہے۔ دنیا میں آنے میں جو عرصہ گزرا اس میں بعض باتیں بھول گیا۔ ان بھولی ہوئی باتوں کو مذکر کی تذکیر یا قدرت کا وجدان یاد دلاتا ہے اور تجربات بھی انسان کو یاد دہانی کراتے رہتے ہیں۔ خیر و شر کی تمام باتیں انسان کے اندر (Inborn Innate) موجود ہیں اور اس کی فطرت میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس کے نزدیک انسان کی حقیقی سعادت اس کی عقل اور اخلاق ہے۔ نیکی بذات خود ایک سعادت اور روح کی زینت ہے اور یہ خود ہی اپنا اجر بھی ہے۔"¹⁸

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر رقمطراز ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ افلاطون کے فلسفہ اخلاق کی بنیاد عقلیت ہی پر استوار ہے۔ عقل ہی خیر و شر کا عالمگیر معیار ہے جو مطلق اور ابدی ہے۔ اس نظریے کی رو سے ہم اس شے کو نیکی اور خیر کہیں گے جو عقل کی رو سے اچھی ہوگی ورنہ وہ بدی اور شر ہوگی۔۔۔ افلاطون انسان کو عقل و حکمت اور عشق و تذکر کی دعوت دیتا ہے کیونکہ عقل کی روشنی میں ہی انسان صراطِ مستقیم کو دیکھ سکتا ہے۔ اور شر کی راہوں سے بچ سکتا ہے علاوہ بریں عقل ہی ہے جو انسان کو مجاہد و شجاع، عادل و محسن اور صالح و نیک کردار بناتی ہے، اور یہ جہالت ہے جو انسان کو گمراہ کرتی، برائیوں پر اسقامتی اور ظلم و ناانصافی پر آمادہ کرتی ہے۔ غرض عقل سے حکمت آتی ہے جو دل کی دولت اور زندگی کی متاع گراں بہا ہے۔"¹⁹

بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں کہ:

"افلاطون کی نگاہ میں اخلاق اقدار کی بحث اور خیر مطلق کے تصور کا تعین اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر افراد کی اصلاح ممکن نہیں لیکن فرد کا وجود اور زندگی کا تمام تر انحصار معاشرے کے وجود پر ہے، اس لئے کسی فرد

کی اخلاقی اصلاح اور پھر اس حالت پر استقلال تبھی ممکن الحصول ہے جب معاشرے کی تنظیم اس خاص نصب العین کے ماتحت کی جائے۔²⁰

ڈاکٹر ویلہلم نیسل لکھتے ہیں کہ:

"اچھا انسان وہ ہے جو بھلائی کرے: افلاطون کے خیال میں انسان کے اعمال کا ہر پہلو اہمیت کا حامل ہے اور ان اعمال کا امتزاج ہی سماجی نیکی کی اصل بنیاد ہے۔ ان نظریات میں افلاطون نے اگرچہ نیکی کو معلوم کرنے کے اس ذریعے یا اصول کی وضاحت کی ہے کہ نیکی کو عقلی استدلال کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے لیکن نیکی یا ورچو (Virtue) کی وضاحت نہیں کی ہے اور نہ ہی سماجی نیکی اور سماجی انصاف کی کوئی حتمی وضاحت کی ہے۔ افلاطون کے نزدیک انسان کی زندگی کا صحیح مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس عالم محسوسات سے گریز کرے اور اپنی فطرت کو الہی فطرت کے مطابق بنائے۔"²¹

ڈاکٹر ویلہلم نیسل افلاطون کے تصور فضائل کبریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"افلاطون پہلا شخص ہے جس نے فضائل کبریٰ چار قرار دیئے (1) دانائی: جب عقل صحیح طور پر عمل کرے (2) شجاعت: جب جذبہ عقل کے مطابق چلے اور یہ بتائے کہ کس چیز سے ڈرنا چاہیئے اور کس سے نہیں (3) تصرف نفس: جب روح کے اندر یہ تنظیم پیدا ہو جائے کہ اس کا کون سا حصہ حکمران ہو اور کون سا محکوم ہو۔"²²

ڈاکٹر نعیم احمد لکھتے ہیں:

"افلاطون نے چار فضائل کا ذکر کیا ہے، یہ چاروں فضائل انسانی شخصیت کے مختلف مدارج کے متعلق ہیں۔ سب سے پہلے وہ عقل کے صحیح طور پر کام کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ عقل جب صحیح طور پر کام کرتی ہے تو یہ دانائی (Wisdom) بن جاتی ہے۔ دوسری فضیلت شجاعت (Courage) ہے۔ جذبات و احساسات جب عقل کے تابع ہو جاتے ہیں تو انسان کو علم ہو جاتا ہے کہ کون سی شے سے ڈرنا چاہیئے اور کون سی شے سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ تیسری فضیلت ضبط نفس ہے۔ ضبط نفس سے افلاطون کی مراد انسانی شخصیت کی ایسی تنظیم ہے جس میں عقل یا روح حاکم ہو اور جسم یا جبلت محکوم ہو۔ چوتھی فضیلت عدل (Justice) ہے۔ عدل اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسانی شخصیت کے تمام مدارج میں توافق و تطابق اور نظم و ضبط پیدا ہو جائے۔"²³

ارسطو کا تصور اخلاق:

ارسطو کی اخلاقیات اور افلاطون کی اخلاقیات میں نمایاں فرق ہے۔ افلاطون کی اخلاقیات پر اس کے نظریہ تصورات کی گہری چھاپ ہے۔ وہ اخلاقی زندگی کے عملی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس ارسطو کی

اخلاقیات میں ایک خوشگوار توازن اور اعتدال نظر آتا ہے۔ ارسطو مادی زندگی کے تقاضوں فلسفیانہ تفکر کی زندگی گزارنے نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد زندگی کے مادی پہلوؤں کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔

ول ڈیورنٹ لکھتے ہیں:

"اخلاقیات کے معاملے میں اس کا اسلوب حقیقت پسندانہ سادگی ہے۔ اس نے جو علمی تربیت حاصل کی تھی اس کی بنا پر وہ مافوق الانسان نصب العینوں کی تبلیغ کرتا ہے اور تحصیل کمال کے بے سود مشورے نہیں دیتا۔"²⁴

ڈاکٹر نعیم احمد لکھتے ہیں:

"ارسطو زندگی کے مادی پہلوؤں کو عقلی پہلوؤں کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اخلاقیات کا تعلق روح ہے۔ روح کے دو حصے ہیں عقلی اور غیر عقلی، غیر عقلی حصوں کو ارسطو پھر دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، نباتی اور اشتہائی، انسان روح کا نباتی حصہ پودوں اور درختوں کی زندگی جیسا ہے اور اشتہائی حصے میں حیوانی زندگی کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اشتہائی حصے میں کسی نہ کسی حد تک شعور بھی پایا جاتا ہے۔ روح کے عقلی حصے میں صرف تفکر پایا جاتا ہے۔ عملی زندگی میں روح کے دونوں حصے مل کر کام کرتے ہیں۔"²⁵

مرزا محمد ہادی لکھتے ہیں:

"جس طرح روح کے دو حصے ہیں۔ اسی طرح فضائل بھی دو قسم کے ہیں علمی اور اخلاقی، علمی فضائل کا تعلق روح کے عقلی حصے سے اور اخلاقی فضائل کا تعلق اشتہائی حصے کو عقل کے تابع رکھنے سے ہے۔ ارسطو خود لکھتا ہے، "فضیلت یا خوبی دو قسم کی ہے ایک تو عقلی ہے دوسری اخلاقی، عقلی فضیلت تعلیم سے پیدا ہوتی ہے اور اسی سے باقی رہتی ہے۔ پس اس کے لئے تجربے اور وقت کی ضرورت ہے۔ خلقی فضیلت کا منشاء عادت ہے لہذا لفظ اخلاق یونانی میں ایسے لفظ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی عادت کے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی خلقی فضیلت ہماری ماہیت میں ودیعت نہیں کی گئی ہے۔۔۔ فطرت کے موافق ہو یا مخالف، فضیلت ہم میں ودیعت نہیں رکھی گئی ہے، البتہ فطرت کی جانب سے ہم کو استعداد ان کے قبول کرنے کی عطا ہوئی ہے اور یہ استعداد عادت سے پختہ ہوتی ہے۔"²⁶

نعیم احمد ارسطو کے مطابق حصول فضیلت کا طریقہ لکھتے ہیں:

"مسلل مشق اور اعادہ سے بہتر اخلاقی زندگی پیدا کی جاسکتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس کو شش میں مصروف رہے جذبات و احساسات پر عقل کی حکمرانی ہو جائے۔ مسلل مشق سے سرکش جذبات کو عقل کے تابع فرمان کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح حیوانی تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے کی عادت بن جاتی ہے۔"²⁷

خلیفہ عبدالحکیم ارسطو کے نظریہ اوساط کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"عقل کی موجودگی میں روح انسانی کو خدا اور حیوان کے درمیان ایک وسطی ہستی بنا دیا ہے۔ احساس ادراک اور حافظے میں وہ حیوان سے مشابہ ہے اور عقل میں خدا سے یہی دوہری حیثیت اس کے اخلاق ہستی بننے کی وجہ ہوئی۔ کوئی اخلاق ممکن نہیں جب تک کہ حیوانی اور عقلی اصلیں ہم وجود نہ ہوں۔ حیوان محض اخلاق ہستی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اخلاق سے مبرا ہے۔ خدا کی ذات میں بھی اخلاق کا کوئی سوال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عقل خالص ہے۔ لہذا اخلاق فطرت انسانی ہی کی ایک ممتاز خصوصیت ہے اور اگر یہ ہستی کی غایت اپنی فطرت کا حصول کمال ہے تو حیات انسانی کا مقصد نہ تو وظائف حیوانی کی یک طرفہ ترقی ہے اور نہ یہ کہ انسان خدا ہو جائے۔ بلکہ یہ حیوانی و عقلی دوہری حقیقت پورے طور پر وسعت حاصل کرے۔ انسان کے لئے خیر برتر اس مسرت کا حصول میں ہے جو عقل اور حیوانیت کے تعاون کا نتیجہ ہو۔ اسی حالت توازن کا نام فضیلت ہے۔"²⁸

ڈاکٹر نعیم احمد لکھتے ہیں:

"ارسطو کی اخلاقیات کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ لذت یا مسرت کو خیر برتر سمجھتا ہے، لذت بذاتِ خود ایک ایسی چیز ہے جس کی آرزو کرنی چاہیے۔ لیکن یہاں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ارسطو کا نظریہ لذت جدید افادیت سے بہت مختلف ہے۔ اس زمانے میں افادیت پسند اس فعل کو خیر سمجھتے ہیں جو لذت پیدا کرے۔ اس کے برعکس ارسطو کا خیال یہ تھا کہ کسی فعل سے لذت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ خیر ہو سکتا ہے۔ لذت اخلاقی فعل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ بذاتِ خود اخلاقی قدروں کی بنیادیں نہیں بن سکتی۔"²⁹

بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں کہ:

"ارسطو نے اخلاقیات کی کتاب میں ایک اولوالعزم شخص کا نقشہ کھینچا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک بہترین اخلاق کا حامل شخص کون ہو سکتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیتیں اور اس کے مطالبات دونوں عظیم الشان ہیں اور یہی خوبی تمام خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ ایسا آدمی جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ عزت ہے اور جو عزت اسے نیک آدمیوں کے ہاتھوں حاصل ہوتی ہے۔ اس سے اسے کوئی زیادہ خوشی نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو اس کا حق تھا۔ عوام کی طرف سے عزت یا بے عزتی اس کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ دوسروں پر احسان کرنے کے لئے پیش پیش ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کا احسان اٹھانا اس کے لئے ممکن نہیں۔"³⁰

ڈاکٹر ویلہم نیسل لکھتے ہیں کہ

"جن صفات پر سعادت کا مدار ہے وہ فکر اور ارادے کی خوبیاں ہیں۔ اخلاقیات کا تعلق مؤخر الذکر سے ہے۔ اخلاقی نیکی کا تعین ارسطو نے تین طرح سے کیا ہے۔ (1) تمام فضائل کا مدار بعض فطری قابلیتوں پہ ہوتا

ہے لیکن صحیح معنوں میں فضائل انہی کو کہہ سکتے ہیں جن کے ساتھ عقلی بصیرت شامل ہو۔ خالص اخلاقی نیکی کا مقام ارادہ ہے۔ جب سقراط نے نیکی کو علم کی طرف منسوب کیا تو اس امر کو نظر انداز کر دیا کہ نیکی کے اندر ارادے کے آزادانہ اختیار کا تعلق اخلاقی قوانین کے علم سے نہ بلکہ ان کے اطلاق سے ہے یعنی جذبات پر عقل کی حکومت سے۔ اسی لئے ارسطو کے تعینات کی مختلف صورتوں کی خاص طور پر تحقیق کرتا ہے لیکن ارادے کے فقط اسی تعین کو نیکی کہہ سکتے ہیں جب وہ ایک پائیدار صفت اور راسخ جذبہ ہو جو فقط انھیں لوگوں میں ہو سکتا ہے جو پختگی کو پہنچ چکے ہیں۔ (2) اخلاص اس چیز کا نام ہے کہ افراط و تفریط کے درمیان بین بین رستہ اختیار کیا جائے۔ یہ اعتدال فاعل کی مخصوص فطرت پر منحصر ہے کیونکہ جو کچھ ایک شخص کے لئے اعتدال ہے وہ دوسرے کے لئے اعتدال سے بہت زیاد یا بہت کم ہو سکتا ہے۔ ہر فضیلت دو نقائص کے درمیان واقع ہوتی ہے جن میں سے کبھی ایک کبھی دوسرا اس سے زیادہ بعید ہوتا ہے۔ ارسطو اس کا ثبوت الگ الگ فضائل مثلاً شجاعت یا ضبط نفس وغیرہ میں دیتا ہے، لیکن ان کو کسی ایک معین اصول سے اخذ نہیں کرتا جیسا کہ افلاطون نے فضائل اساسیہ کی نسبت کیا۔ وہ عدل پر جو آئینی زندگی کی سب سے بڑی فضیلت ہے، بڑی تفصیل سے بحث کرتا ہے اور اپنی اخلاقیات کا پانچواں حصہ پورا سی کو وقف کرتا ہے۔ یہ کتاب ازمنہ متوسطہ میں فطری قانون کی بنیاد قرار دی گئی۔ عدل جزا و سزا کا صحیح تعین ہے۔ ایک قسم کا عدل صحیح تقسیم پر مشتمل ہے اور دوسرا تصحیح یا اصلاح پر۔ اعزازات و مفادات جو فرد کو جماعت سے حاصل ہوتے ہیں وہ اس فرد کی قابلیت کے مطابق ہونے چاہئیں۔ افراد کے درمیان معاہدات میں نفع و ضرر کا توازن یکساں ہونا چاہیئے اور قانونی فیصلوں میں جرم و سزا کی نسبت برابر ہونی چاہیئے۔ عدل کچھ قانونی ہوتا ہے کچھ فطری۔ جہاں قانونی عدل سے نا انصافی ہوتی ہے وہاں فطری عدل سے اس کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ (3) کسی حالت میں اس کا کون فیصلہ کرے گا کہ اس کے اندر اعتدال کیا ہو گا۔ ارسطو کہتا ہے یہ بصیرت کا کام ہے جو عقل نظری سے الگ ملکہ ہے۔³¹

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ

"ارسطو کے نزدیک عقل بڑی نعمت ہے جو اللہ نے انسان کو دی ہے۔ اس کے اندر نوریزدانی (Divine Spark) بھی موجود ہے۔ اس لئے انسان اپنی تمام صلاحیتوں اور اپنی عقل کو صحیح طریقے پر مرتب کرے تو اس کو خود آگاہی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے جس کے بعد انسان کو خیر و شر کے لئے کسی کسوٹی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ خود آگاہی کا یہ مقام اس کی رہنمائی کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ نیکی ہماری فطرت کے موافق اور عقل کے مقرر کردہ اصول کے مطابق ہے، جس کا تعین ایک دانا شخص آسانی سے کر سکتا ہے۔"³²

ان تین یونانی فلسفیوں کے بعد فلسفے کی بحث ختم تو نہیں ہو گئی مگر اخلاقیات کے حوالے سے کوئی نیا نظریہ رو نما نہیں ہوا۔ اس کے بعد جب عرب میں اسلام کا ظہور ہوا اس نے دنیا کو اس عقیدے کی دعوت دی کہ کائنات کا نظام چلانے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے۔ اس کائنات کے نظام میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس ذات کی دست قدرت سے ہو رہا ہے، اور جس طرح اس نے انسان کو وجود عطا کیا اسی طرح اس کو ایک نظام کا پابند بھی بنایا کہ جس وہ پیروی کرے۔ ایک راہ بتائی جس پر وہ چلے، اس کے سچائی اور انصاف کے اصول بتائے، جس کی پابندی کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے جس سے اس کو دنیا و آخرت کے انعام و اکرام میسر آسکتے ہیں۔ اور اسی طرح ان امور کے برعکس جھوٹ اور ظلم کی ہمیشہ حوصلہ شکنی کی اور ان کے ارتکاب سے ڈرایا، دنیا میں بد بختی اور آخرت میں عذاب کو اس کے لئے سزا تجویز کی۔ مسلمانوں میں سے جن علماء نے اخلاقیات پر کتابیں لکھیں ان کے لئے "دین" بہت بڑی اساس و بنیاد رہی ہے۔ جیسا کہ غزالی اور ماروردی کی کتابیں³³ تاہم جن علماء نے اخلاق پر علمی بحث کی ہے ان میں بہت مشہور۔ ابو نصر فارابی اور ابو علی سینا اور اخوان الصفا کی جماعت ہے۔ یہ علماء چونکہ فلسفہ یونان کا درس دیا کرتے تھے، اس لیے اخلاق میں بھی یونانی آراء کو بحث میں لاتے تھے اور شاید اخلاق میں علمی بحث کا سب بڑا مفکر ابن مسکویہ ہے۔ اس نے فن میں مشہور زمانہ کتاب "تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق" تصنیف کی۔

مصادر و مراجع

- ¹ مولانا احمد عروج قادری، قرآن کا فلسفہ اخلاق ص: 27۔
molana ahmad urooj qadri, quran ka falsafah ikhlaq page: 27 .
- ² مولانا امین احسن اصلاحی، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ص: 99۔
molana amin Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail quran hakeem ki roshni mein, Faraan foundation Lahore , page : 99 .
- ³ مولانا احمد عروج قادری، قرآن کا فلسفہ اخلاق ص: 27۔
molana ahmad urooj qadri, quran ka falsafah ikhlaq s : 27 .
- ⁴ مولانا امین احسن اصلاحی، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ص: 98۔
molana amin Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail quran hakeem ki roshni mein page : 98 .
- ⁵ ہنری سبوک، مترجم مولوی احسان احمد، تاریخ اخلاقیات، دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدر آباد دکن، 1935، ص: 27۔
molana amin Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail quran hakeem ki roshni mein page : 98 .
- ⁶ مولوی احسان احمد، تاریخ اخلاقیات، ص: 29۔

molvi ahsaan Ahmed , tareekh akhlayat, page : 29 .

⁷ مولانا امین احسن اصلاحی، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ص: 99۔

Mulana ameen Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail quran hakeem ki roshni mein page : 99 .

⁸ Santas, Gerasimos Xenophon, Socrates Philosophy in Plato's Early Dialogues (The Arguments of the Philosophers). Edited by: Ted Hoderick.

⁹ افلاطون ”مکالمات افلاطون“ مترجمہ محمد رفیق چوہان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۵۔

aflatoon' mikalimat aflatoon' ' mutrjam Mohammad Rafeeq chuhan, national buk fayondishn, Islamabad, ۱۹۸۷, page ۱۱۵ .

¹⁰ امین احسن اصلاحی، فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں، 101، 102۔

amin Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail quran hakeem ki roshni mein, 101, 102 .

¹¹ مولانا حفیظ الرحمن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص: 199۔

molana hifz al-rehman, ikhlaq aur falsafah ikhlaq, page : 199 .

¹² ڈاکٹر نعیم احمد، تاریخ فلسفہ یونان، علمی کتاب خانہ 2008، ص: 82۔

dr Naeem Ahmed , tareekh falsafah yunan, Ilmi kitaab khanah 2008, page, 82 .

¹³ تاریخ فلسفہ یونان، ص: 92۔

tareekh falsafah yunan, page, 92 .

¹⁴ قمر نقوی، تین عظیم فلسفی، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1989، ص: 24، 25۔

Qamar naqvi, teen azeem falsafi, maqbool academy, Lahore , 1989, page, 24, 25 .

¹⁵ افلاطون بحوالہ تین عظیم فلسفی ص: 29۔

aflatoon bahawala teen azeem falsafi page : 29 .

¹⁶ جان ایس میکنزی، علم اخلاق مترجم مولوی عبدالباری، جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدرآباد دکن، 1923، ص: 5: اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص

201۔

jaan s miknzi, ilm ikhlaq mutrajim molvi abdalbari, jamea usmaniya sarkar aliiiiii, hyderabad dakkan, 1923, s : 5 : ikhlaq aur falsafah ikhlaq s 201 .

¹⁷ مولانا حفیظ الرحمن، اخلاق اور فلسفہ اخلاق ص: 201۔

molana hifz al-rehman, ikhlaq aur falsafah ikhlaq page 201 .

¹⁸ امین احسن اصلاحی، فلسفے کے بنیادی مسائل، ص: 130۔

amin Ahsen islahi, falsafay ke bunyadi masail, page : 130 .

¹⁹ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، سرگزشتِ فلسفہ، فیروز سنز، لاہور، 1991ء، ج 1، ص 24-25۔

dr naseer Ahmed nasir, srgzsht falsafah, فیروز سنز، Lahore , 1991, j 1, s 24, 25 .

²⁰ بشیر احمد ڈار، حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1995ء، ص: 350، ڈاکٹر ویلہم نیسل، مختصر تاریخ فلسفہ یونان ص

-134:

Basheer Ahmed daar, hukmaye qadeem ka falsafah ikhlaq, idaara Saqafat islamia, Lahore , 1995, page : 350, : dr welham nasle, mukhtasir tareekh falsafah yunan s : 134 .

²¹ ویلہم نیسل، ڈاکٹر، مختصر تاریخ فلسفہ یونان، ص 134۔

Nasle welham, dr, mukhtasir tareekh falsafah yunan, page 134 .

²² ویلہم نیسل، ڈاکٹر، مختصر تاریخ فلسفہ یونان، ص 132۔

welham nasle, dr, mukhtasir tareekh falsafah yunan, s 132 .

²³ تاریخ فلسفہ یونان، ص: 128۔

tareekh falsafah yunan, page: 128 .

²⁴ ول ڈیورنٹ، داستانِ فلسفہ، مترجم سید عابد علی عابد، فکشن ہاؤس، لاہور، 1995ء، ص: 125۔

will dewrant, dastan falsafah, mutrajim syed abid Ali abid, fiction house, Lahore , 1995, page: 125 .

²⁵ تاریخ فلسفہ یونان، ص: 166، 168۔

tareekh falsafah yunan, page : 166, 168 .

²⁶ مرزا محمد ہادی، اخلاقِ نقوماجس، جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدرآباد دکن، 1931ء، ص 39-40۔

Mirza Muhammad hadi, ikhlaq noqwmajas, jamea usmaniya sarkar aliinii, hyderabad dakkan, 1931, page 40, 39 .

²⁷ تاریخ فلسفہ یونان، ص: 110، 111۔

tareekh falsafah yunan : page : 111, 110 .

²⁸ ول ڈیورنٹ، داستانِ فلسفہ، مترجم سید عابد علی عابد، ص: 126۔

will dewrant, dastan falsafah, mutrajim syed abid Ali abid, s : 126 .

²⁹ تاریخ فلسفہ یونان، ص: 168، 170۔

tareekh falsafah yunan, page 170, 168 .

³⁰ بشیر احمد ڈار، حکمائے قدیم کا فلسفہ اخلاق، ص: 391۔

Basheer Ahmed daar, hukmaye qadeem ka falsafah ikhlaq, page : 391 .

³¹ ڈاکٹر ویلہم نیسل، مختصر تاریخ فلسفہ یونان، ص 176۔

dr welham nasle, mukhtasir tareekh falsafah yunan, page 176 .

³² امین احسن اصلاحی، فلسفے کی بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں، ص 101۔

amin Ahsen islahi, falsafay ki bunyadi masail quran hakeem ki roshni
mein, page 101 .

³³ مولانا احمد عروج، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص: 208۔

maula na Ahmed urooj, ikhlaq aur falsafah ikhlaq, page: 208 .